اِک بار تو لوٹ آ کہ مصائب کا سماں ہے

شورش کاشمیریؒ

دل درد میں ڈوبا ہے زباں نوحہ کناں ہے
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں بخاری تو کہاں ہے

اے خطۂ فردوس کے راہی تو پلٹ آ
رحلت پہ تری غلغلۂ آہ و فغاں ہے

آواز تو دے خانہ خرابانِ وفا کو
اک بار تو لوٹ آ کہ مصائب کا سماں ہے

کس حال میں ہیں پیش رسانِ عدم آباد
معلوم تو ہوگا تجھے اب کون کہاں ہے؟

ہیں نوکِ زباں قاسم و محمود کی باتیں
ان میں بھی کبھی تذکرۂ ہم نفساں ہے؟

ہم نے تو جلائے ہیں چراغ اپنے لہو سے
لیکن یہ جہاں کارگہ شیشہ گراں ہے

یہ کون اُٹھا محفلِ ہستی سے عزیزو؟
خورشیدِ جہاں تاب بھی خونابہ فشاں ہے

"جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے"
کیا خوب! قیامت کا کوئی اور نشاں ہے

اس عقدۂ پر پیچ پہ مغموم ہوں شورش
کیا چیز یہاں کشمکشِ عمرِ رواں ہے

رواں رہے گا یونہی کارواں بخاریؒ کا

سیّد امین گیلانی

سکونِ زیست کی دولت لٹا کے بیٹھ گئے
ہم ایک گوہرِ یکتا گنوا کے بیٹھ گئے

وہ جب سے چہرۂ انور چھپا کے بیٹھ گئے
ہم اپنی پلکوں پہ شمعیں جلا کے بیٹھ گئے

ترس رہی ہیں نگاہیں تمہاری صورت کو
اب آ بھی جاؤ کہ سب لوگ آ کے بیٹھ گئے

قریب کر کے محبت سے ایک دنیا کو
عجیب بات ہے خود دُور جا کے بیٹھ گئے

وفا شعار تھے تم کیا ہوا خُدا کے لئے
کہ اپنے یاروں سے دامن چھڑا کے بیٹھ گئے

ہمارا جی نہیں لگتا کہیں تمہارے بغیر
مگر ہو تم کہ کہیں جی لگا کے بیٹھ گئے

زمیں پہ پھولوں میں کم ہو گئی تھی بوئے وفا
کہ اب فلک پہ ستاروں میں جا کے بیٹھ گئے

رواں رہے گا یونہی کارواں بخاریؒ کا
عدو نہ سمجھیں کہ ہم دل بجھا کے بیٹھ گئے

تڑپ کے چاکِ گریباں کریں گے باطل کا
وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم چوٹ کھا کے بیٹھ گئے

جناب احمد ندیم قاسمی

عظیم کردار

زیر نظر مضمون محترم جناب احمد ندیم قاسمی نے گزشتہ سال تحریر کیا تھا جسے ہمارے رفیقِ فکر جناب اختر جنجوعہ نے اُن سے حاصل کر کے "نقیبِ ختمِ نبوت" کی خصوصی اشاعت کے لئے ہدیۂ قارئین کیا ہے۔ "ادارہ"

محترم سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور مسلمانوں کی تحریکِ آزادی اور ان کے دینی شعور کی تاریخ کے ایک ایسے عظیم کردار تھے کہ محض بطور مثال اگر اس ایک کردار سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو پوری تاریخ کی عمارت ڈولنے لگتی ہے۔ دراصل ہم عجیب و غریب ذاتی اور گروہی تعصبات میں مبتلا لوگ ہیں چنانچہ اپنی تاریخ ساز شخصیتوں کو بھی انہی تعصبات کے محدود دائروں میں رکھ کر پرکھتے ہیں اور اثبات کی بجائے نفی سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ ہماری یہ ذہنیت ہمارا بہت بڑا المیہ ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ہمہ گیر شخصیت کے ساتھ بھی ہم نے کچھ ایسا ہی رویہ روا رکھا ہے۔ ورنہ اپنے ہم وطنوں، خصوصاً مسلمان ہم وطنوں کے ذہنوں میں انہوں نے برطانوی استعمار و استبداد کے خلاف جو غیر مشروط نفرت پیدا کی اور مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی حریت پسندانہ روایات کی جو مشعلیں انہوں نے روشن کیں وہ ہماری سیاست اور ہمارے دین و دانش کی وہ اقدار ہیں جنہوں نے ہماری شخصیتیں تعمیر کی ہیں اور ہمارے جذبوں اور امنگوں کی تربیت اور تہذیب کی ہے۔

تحریکِ پاکستان کا ساتھ نہ دینے والوں میں سے شاہ جی واحد شخصیت تھے جنہوں نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد اپنی رائے کی شکست کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کر لیا۔ حق بات یہ ہے کہ اس طرح کے تاریخی اعترافات عظیم لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ورنہ دوسرے حضرات تو اپنے سابقہ طرزِ عمل کی تاویلیں ہی کرتے رہ جاتے ہیں اور نظریہ پاکستان کے دورِ حاضر کے ٹھیکیداروں

طریق کار اب تک یہی ہے کہ تاویل کرتے ہیں اور تاویل نہ کر سکیں تو اپنی کتابوں میں سے پاکستان کی مخالفت میں کہے گئے جملے حذف فرما دیتے ہیں۔

میری حیثیت ان کے ایک ادنیٰ عقیدت مند کی ہے ۔ ۱۹۳۳ء کے آس پاس کا ذکر ہے میں بہاولپور کے کالج میں طالب علم تھا۔ خبر گرم ہوئی کہ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نمازِ عشاء کے بعد مسجد جامع میں تقریر فرمائیں گے ۔ طلبہ نے شاہ جی کی ساحرانہ خطابت کے قصے سن رکھے تھے چنانچہ ہم لوگ مسجد جامع میں پہنچے اور زندگی میں پہلی بار شاہ جی کی خطابت کے اعجاز سے متعارف ہوئے میں نے اس عمر میں ایسی مؤثر تقریر تو کیا سنی ہوگی، ایسی مؤثر تحریر بھی نہیں پڑھی تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ الفاظ کا ایک لشکر ان کے سامنے دست بستہ حاضر ہے اور وہ ہر دلیل، ہر نکتے، ہر جذبے کے لئے ایسے مناسب الفاظ استعمال فرما رہے ہیں کہ بلاغت کے اصولوں کے مطابق اس سے زیادہ مناسب الفاظ کا تصور تک محال ہے ۔ اس پر مستزاد ان کا انتخابِ اشعار تھا کہ معلوم ہوتا تھا یہ شعر خاص کسی صورتِ حال کے لئے شاعر کے دل پہ وارد ہوا تھا ۔ آیاتِ قرآنی کی قرأت کا انداز بھی منفرد تھا اور اشعار بھی وہ ایسے لحن سے ادا فرماتے تھے کہ خود شاعر بھی اپنا شعر شاہ جی کے لحن میں سنتا تو پکار اٹھتا کہ میرے شعر کو تخلیق کے بعد آج فن کی معراج نصیب ہوئی ۔ شاہ جی کی یہ تقریر نصف شب کے بعد تک جاری رہی ۔ پھر اچانک انہوں نے گھڑی دیکھی اور ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے یہ دعا بجائے خود فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار تھی ۔ دورانِ دعا کسی نے عرض کیا کہ بارش کی بھی دعا فرمائیے ۔ شاہ جی نے موسلا دھار بارش کی دعا مانگی اور ابھی وہ بارش کی یہ دعا ختم نہیں کر پائے تھے کہ مجمعے میں سے کسی کی آواز آئی ۔ "قبلہ شاہ جی، ہمیں اتنی زیادہ بارش نہیں چاہیئے، ہم غریبوں کے گھر کچے ہیں"۔ شاہ جی نے یہ سنا تو دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ گرا دیئے اور اسلام میں اعتدال اور میانہ روی کے موضوع پہ نئی تقریر کا سلسلہ شروع ہوا جو نمازِ فجر کی اذان تک جاری رہا اور اس تمام عرصے میں لوگ جوق در جوق آتے تو رہے لیکن اٹھ کر گیا ایک بھی نہیں اور جاتے بھی کیسے سب شاہ جی کی تقریر کی ساحرانہ گرفت میں تھے ۔

اس کے بعد مجھے لاہور میں بیرون دلی دروازہ شاہ جی کی متعدد تقریریں سننے کا شرف حاصل ہوا اور جو بھی تقریر سنی، سابقہ تقریروں کے مقابلے میں بالکل نئی اور زیادہ مؤثر محسوس ہوئی۔